قرآن وسنت

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
ترجمہ: حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ تعالیٰ

زیر نظر مضمون محدث العصر الشیخ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ کی ایک تقریر ہے جسے بعد میں "منزلته السنته فی الاسلام" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس میں علامہ موصوف نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ بعض ناعاقبت اندیش مجتہدین مستشرقین کے بہکاوے میں آکر نبی اکرم ﷺ سے قرآن کے شارع ہونے کے وہ اعزاز چھیننا چاہتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا ہے افادہ عام کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔ وباللہ التوفیق (الحماد)

اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام لوگوں تک پہنچانے کیلئے نبی اکرم ﷺ کا انتخاب فرمایا اور ان پر اپنی کتاب قرآن مجید کو اتارا جس میں دیگر احکامات کی طرح یہ حکم بھی تھا کہ اسے لوگوں کیلئے بیان فرمائیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (النحل: ۴۴)

اور ہم نے اب ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جوان کیلئے اتاری گئی ہے۔

ہمارے نزدیک اس بیان کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ قرآنی الفاظ اور اس کے نظم کو بیان کرکے لوگوں تک پہنچانا یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کو آپؐ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا تھا اسے ٹھیک ٹھیک اپنی امت کے سپرد کردیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (مائدۃ ۶۷)

اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔

صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

من حدثکم ان محمدا صلی الله علیه وسلم کتم شیا امر بتبلیغه فقد اعظم علی الله تعالیٰ الفریته۔(اخرجه الشیخان)

جو شخص یہ بیان کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان بعض امور کو چھپایا جن کی تبلیغ کا آپ کو حکم تھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا ہے اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے:

لوکان رسول الله صلی الله علیه وسلم کاتما شیا امر بتبلیغه لکتم قوله تعالیٰ واذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه امسک علیک ذوجك واتقل الله وتخفی فی تفسك ماالله مابدیه وتخشی الناس والله احق انت تخشاه۔ (احزاب ۳۷)

یعنی آپ اگر تبلیغی امور میں سے کچھ چھپانا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو لوگوں سے چھپاتے (جس کا ترجمہ یہ ہے) اے نبی یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر اس وقت تم دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے۔ جسے اللہ تعالیٰ کھولنا چاہتا تھا تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ آپ کسی ایسے لفظ یا جملہ یا آیت کی توضیح و تشریح فرمائیں جس کی وضاحت مطلوب ہو کیونکہ قرآن مجید میں بسا اوقات ایک مجمل یا عام یا مطلق بات ہوتی ہے۔ تو سنت اس کی وضاحت کرتی ہے یعنی آپ کے ارشادات و اعمال اور تصویب و تقریر کے ذریعے اس اجمال کی تفصیل عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن فہمی کیلئے سنت انتہائی ضروری ہے۔

فہم قرآن کیلئے سنت کی ضرورت

سنت کی اس اہمیت کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں فرمان باری تعالیٰ ہے **والسارق والسارقة فاقطعوا ایدهما** (مائدۃ: ۳۸) چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس

آیت کریمہ میں السارق اور ایدی کا لفظ مطلق واقع ہوا ہے جس کی کوئی حد بندی نہیں کی گئی۔ آپ کی قولی سنت نے وضاحت فرمائی ہے کہ چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار یا زیادہ مالیت کی چوری کرنے پر کاٹا جائے چنانچہ حدیث میں ہے:

لاقطع الا فی ربع دینار فصاعدا (اخرجه الشیخان)

یعنی ایک چوتھائی دینار کی قیمت سے کم کی چوری میں نہ کاٹا جائے (اس زمانہ میں ۴/۱ درھم کے برابر تھا ایک درہم میں تین ماشہ اور ۵/۱،۱ رتی چاندی ہوتی تھی) نبی کریم ﷺ کی فعلی اور تقریری سنت سے لفظ ایدی کو مقید کیا گیا ہے یعنی ہاتھ کے متعلق وضاحت فرمائی کہ اسے کلائی سے کاٹا ہے جیسا کہ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے اور آیت تیمم میں لفظ ایدی یعنی ہاتھ کی تقیید اس طرح سے ہوئی ہے کہ اس سے مراد ہتھیلیاں ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فامسحوا بوجوھکم وایدیکم (نساء:۴۳)

پاک مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔

حدیث پاک میں تیمم کا طریقہ یوں بیان ہوا ہے:

التیمم ضربة للوجه والکفین (اخرجه الشیخان عن عمار بن یاسر رضی الله عنه)

یعنی تیمم کیلئے صرف ایک ہی دفعہ ہاتھ مارنا کافی ہے وہی ہاتھ چہرے پر پھیر لیا جائے اور پھر اسی کو ہتھیلیوں پر بھی پھیر لیا جائے۔

اسی اصول کی وضاحت کیلئے ہم مزید چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ سنت کے ذریعے ہی قرآن کریم کو درست طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

پہلی آیت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الذین آمنو ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون (الانعام:۸۲)

حقیقت میں امن تو انہی کیلئے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت میں وارد لفظ ''ظلم'' کو اپنے عموم پر محمول کیا جو ہر چھوٹے بڑے ظلم کو شامل ہے چنانچہ انہوں نے صاحب قرآن ﷺ کے سامنے اپنا اشکال بایں الفاظ پیش کیا کہ **اینا لم یلبس ایمانه بظلم** ہم میں سے کون ہے جو اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کرتا؟ اندریں حالات امن کے حقدار کون ہیں؟ آپ نے اس کا یہ حل بیان فرمایا ہے کہ:

لیس بذلك انما ھو الشرك الا تسمعون الیٰ قول لقمان ان الشرك لظلم عظیم (اخرجه الشیخان)

ایسا نہیں بلکہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے کیا تم حضرت لقمان کی بات نہیں سنتے وہ فرماتے ہیں کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اب نبی کریم ﷺ کے فرمان کے بعد آیت کا مفہوم واضح ہوگیا کہ جو لوگ صرف اللہ کو مانیں اور اپنے اس ماننے کو کسی مشرکانہ عقیدہ و عمل سے آلودہ نہ کریں امن صرف انہی کیلئے ہے اور یہی راہ راست پر ہیں۔ اس وضاحت کے بعد صحابہ کرام کی غلط فہمی بھی دور ہوگئی۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا (النساء:۱۰۱)

اور جب تم سفر کیلئے نکلو نماز کو قصر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ تمہیں کافر ستائیں گے۔

اس آیت کے ظاہر کا تقاضہ ہے کہ سفر میں نماز قصر کرنا حالت جنگ کے ساتھ مشروط ہے یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ ہم حالت امن میں بھی قصر کرتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

صدقته تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته (رواه مسلم)

(حالت امن میں قصر کی اجازت) ایک انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشا ہے اس لئے اس کے انعام کو قبول کرو۔

تیسری آیت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حرمت علیکم المیتة والدم .... الخ (مائدة:۳)

تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا ہے۔

آیت کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ ہر قسم کا مردار اور ہر قسم کا خون حرام ہے لیکن سنت قولی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ ٹڈی اور مچھلی ذبح کئے بغیر استعمال کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح جگر اور تلی کا جو خون ہوتا ہے اسے کھایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ

نبی اکرمﷺ فرماتے ہیں:

احلت لنا میتتان ودمان الجراد والهوت والکبد والطحال

ہمارے لئے دو مردار اور دو خون یعنی مکڑی اور مچھلی جگر اور تلی حلال کر دیے ہیں:

چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر الله به (الانعام:۱۴۵)

(اے پیغمبر) ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے کیلئے حرام ہو الا یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے یا گناہ کی کوئی چیز جو اللہ کے سوا کسی اور نام پر ذبح کی گئی ہو۔

اس آیت کے بعد ہم سنت رسولﷺ کو دیکھتے ہیں کہ اس نے بے شمار ایسی اشیاء کو حرام قرار دیا ہے جن کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ مثلاً کچلی والے تمام درندے، چنگال والے تمام پرندے اور گھریلو گدھے حرام ہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں نہیں ہے۔ نبی اکرمﷺ فرماتے ہیں:

کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر حرام (اخرجه الشیخان)

کچلی والے تمام درندے اور چنگال والے تمام پرندے حرام ہیں۔

اسی طرح غزوہ خیبر کے موقع پر آپﷺ نے فرمایا:

ان الله و رسوله لینهیانکم عن الحمر الانسیة فانها رجس (اخرجه الشیخان)

اللہ اور اس کے رسولﷺ نے گھریلو گدھوں کو حرام کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ سراپا خبث اور پلید ہیں؟

پانچویں آیت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق (الاعراف:۳۲)

اے نبی ان سے کہو کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا تھا اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کیلئے ہر قسم کی زینت حلال ہے جبکہ سنت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرمﷺ نے ایسی زینت کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو مردوں کیلئے شرعاً حرام ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک ہاتھ میں سونا اور ایک ہاتھ میں ریشم لیا اور اپنے صحابہ کے پاس آ کر فرمایا:

هذان حرام علی ذکور امتی وحل لاناثها (اخرجه الحاکم وصححه)

یہ دونوں میری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے حلال ہیں۔

اسی طرح دیگر بے شمار احادیث موجود ہیں جنہیں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذکورہ مثالوں سے سنت کی آئینی حیثیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ جب ہم ان پر نظر ثانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کیلئے سنت رسول اللہﷺ کو سامنے رکھنا انتہائی ضروری ہے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

پہلی مثال میں صحابہ کرامؓ نے ظلم کو عام معصیت کے معنی پر محمول کیا حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

افضل هذا الامته وابرها قلوبا اعمقها علما واقلها تکلفا (مشکوٰة بحواله رذین)

اس امت کے بہترین، تقویٰ شعار، پاکباز، صاف دل، سادہ مزاج اور علم میں گہرائی اور گیرائی رکھنے والے حضرات ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علم و عمل میں اس قدر بلند پایہ مقام رکھنے کے باوجود اس آیت کے مفہوم کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے بلکہ انہوں نے اپنے اشکال کو نبی اکرمﷺ کے حضور پیش کیا اگر نبی اکرمﷺ ان کی رہنمائی نہ کرتے اور اشکال کو رفع نہ فرماتے کہ ظلم سے مراد شرک ہے تو ہم (صحابہ کرام سے بھی بڑھ کر) اس غلط فہمی کا شکار ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبﷺ کی رہنمائی کے ذریعے ہمیں اس قسم کی غلطی سے محفوظ رکھا۔

دوسری مثال کو لیجیے اگر حدیث مذکور میں اس امر کی وضاحت نہ کی جاتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے تو سفر میں بحالت امن نماز قصر کرنے کے متعلق ہم شک و شبہ میں ضرور مبتلا ہوتے جیسا کہ

آیت سے ظاہر ہے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق نہ پوچھا ہوتا اور آپ ﷺ کو حالت امن میں قصر کرتے نہ دیکھا ہوتا تو یقیناً وہ بھی شک میں رہتے جیسا کہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

تیسری مثال پر غور کیجئے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی نے ہماری راہنمائی نہ کی ہوتی تو ہم ٹڈی، مچھلی، جگر، تلی جیسی پاکیزہ اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے سنت رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں اس سے محفوظ رکھا۔

چوتھی مثال پر ایک نظر ڈالیئے کہ اگر احادیث سے معاملہ صاف نہ ہوتا تو ہم کچلی والے درندوں اور چنگال والے پرندوں کو بھی حلال ٹھہرا لیتے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ﷺ کے ذریعے حرام ٹھہرایا ہے۔

پانچویں مثال کو دیکھئے کہ اگر احادیث نہ ہوتیں تو ہم مردوں کیلئے بھی سونے اور ریشم جیسی زینت کو حلال قرار دیتے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے مردوں پر حرام کیا ہے انہی امور کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے بعض اسلاف مثلاً (یحیٰی بن ابی کثیر) نے کہا ہے:

السنة تقضى على الكتاب (۲)

سنت سے کتاب (کے احکام) کی حیثیت متعین ہوتی ہے۔

یہ امر انتہائی باعث افسوس ہے کہ بعض جدید مفسرین اور جدت پسند معاصرین کو قرآن فہمی کے سلسلے میں سنت کی حیثیت بہت ناگوار گذری ہے انہوں نے صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کے ارشادات کے بغیر قرآن مجید سمجھنے کی کوشش کی تو راہ راست سے بھٹک گئے اور انہوں نے اس فکر جدید کو اپناتے ہوئے مردوں کیلئے سونے اور ریشم کی حلت اور ہر قسم کے درندوں کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کریم سنت کے تقید سے آزاد ہے بلکہ دور حاضر میں اہل قرآن کے نام سے ایک نیا فرقہ رونما ہوا ہے۔ یہ لوگ سنت صحیحہ سے کسی قسم کی مدد لئے بغیر صرف اپنی آراء و خواہشات سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے سنت کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کی ناکام کوشش بھی کی ہے اگر ان کی ہوائے نفس کے مطابق ہوتو اسے قابل عمل سمجھتے ہیں بصورت دیگر اسے مسترد کر دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی قماش کے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لاالفين احدكم منكئا على اريكة ياتيه الامر من امرى مما امرت به اونهيت و عنه فيقول لا ادرى ما وجدنا فى كتاب الله اتبعناه (رواه الترمذى)

میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں جو اپنی مسہری پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہو جب اس کے پاس میرا امر یا نہی آئے تو کہے کہ میں نہیں جانتا ہم تو صرف اس حکم کے پابند ہیں جو کتاب اللہ یعنی قرآن مجید میں موجود ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

الا ان ما حرم الرسول مثل ما حرم الله.

خبردار نبی اکرم ﷺ کی حرام کردہ اشیاء کی بھی وہی حیثیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محرمات کی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایک فاضل مصنف نے قانون اور عقیدہ کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اسے تصنیف کرتے وقت صرف قرآن مجید کو سامنے رکھا ہے یعنی سنت رسول اللہ ﷺ کا سہارا لینے کی زحمت نہیں کی۔ حالانکہ ہم نے اوپر جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ شریعت اسلامیہ صرف قرآن مجید ہی کا نام نہیں ہے بلکہ قرآن اور سنت کے مجموعے کا نام شریعت ہے جس نے صرف ایک کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہوئے دوسرے سے روگردانی کی تو یقیناً یہ ضلالت وگمراہی ہے کیونکہ ان کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے اور دونوں کے باہمی امتزاج سے مستقل ایک ماخذ قرار پاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

۱. من يطع الرسول فقد اطاع الله (نساء : ٦٥)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے در حقیقت اللہ کی اطاعت کی۔

۲. فلا وربک لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما (نساء:٦٥)

تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں۔

۳. وما كان لمومن ولا مومنة اذا

قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (احزاب: ۳۶)

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول مقبول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود ہی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

۴. وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھو. (حشر: ۷)

اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔

موخر ذکر آیت کی مناسبت سے ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے واقعہ کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ جب انہوں نے ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں کام کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے تو اس تقریر کو سن کر قبیلہ بنو سعد کی ام یعقوب نامی عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے اخذ کی ہے؟ کتاب اللہ میں تو یہ مضمون کہیں میری نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگر تو نے اللہ کی کتاب کا بغور مطالعہ کیا ہوتا تو یہ بات تجھے اس میں ضرور مل جاتی کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ:

وما اتکم الرسول فخذو وما نھکم عنہ فانتھوا.

اس نے عرض کیا ہاں یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فعل سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فعل کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ عورت نے عرض کیا کہ اب میں سمجھ گئی ہوں۔ (متفق علیہ)

اس واقعہ سے قرآن اور حدیث کے باہمی تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے پیش کردہ دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن فہمی کیلئے صرف عربی زبان میں مہارت ناکافی ہے کیونکہ قرآن مجید کو سمجھنے کیلئے صاحب قرآن ﷺ کی قولی اور فعلی سنت کا تعاون ناگزیر ہے صحابہ کرام عربی زبان میں پوری مہارت رکھتے اور زبان کے لطائف ودقائق سے بخوبی آگاہ تھے اس وقت ان کی عربیت عامی لب ولہجہ اور عجمیت کی ملاوٹ سے صاف پاک تھی اور اس میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہیں ہوا تھا۔ قران کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا لیکن وہ بعض قرانی آیات کو اپنی زبان دانی کے سہارے سمجھنے سے قاصر رہے اور پیش آمدہ اشکال نبی اکرم ﷺ کے حضور پیش کرتے جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کرآئے ہیں۔ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے معارف وحقائق سے آگاہی اور اس سے استنباط احکام پر عبور صرف اسی انسان کو حاصل ہوسکتا ہے جو سنن واحادیث پر گہری نظر رکھتا ہو۔ اس کے برعکس جو انسان ان سے قطعاً نابلد ہے یا اس کے نزدیک یہ ذخیرہ قابل اعتماد نہیں یا اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتا وہ قرآن کریم کے اسرار و رموز سے قطعاً آشنا نہیں ہوسکتا۔ اصول تفسیر کا یہ ایک متفقہ قاعدہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر وتشریح، قرآن اور حدیث دونوں کی روشنی میں کی جائے پھر اقوال صحابہ کو دیکھا جائے۔ اس تفصیل سے ان قدیم وجدید علماء کی کجروی بھی واضح ہو جاتی ہے جنہوں نے عقائد کے باب میں سلف صالحین کے خلاف طریقہ اپنایا ہے یعنی آیات وصفات میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال وسنن کی بالادستی قبول کرنے کی بجائے محض عقل وفکر کا سہارا لیا ہے شرح عقیدہ طحاویہ میں کس قدر عمدہ بات بیان کی گئی ہے۔

وہ انسان اصول دین پر کیسے گفتگو کرسکتا ہے جو کتاب وسنت سے مستفید ہونے کی بجائے صرف اقوال رجال اور فقہی آراء پر بھروسہ کرتا ہے وہ بزعم خویش اپنے پراگندہ خیالات کو کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہے لیکن کتاب اللہ کی تفسیر کرتے وقت احادیث رسول اللہ ﷺ کو سامنے نہیں رکھتا اور نہ ہی ان نصوص پر غور کرتا ہے جو صاحب قرآن سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال اس کے پیش نظر ہوتے ہیں جو ماہرین فن نے ثقہ راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچائے ہیں ایسا کرنے والا قرآن کریم کے صحیح مقصد کو ہرگز نہیں پاسکتا۔ سلف صالحین نے صرف قرآنی الفاظ ہی ہمیں منتقل نہیں کئے بلکہ انہوں نے اس کے معنی ومطالب بھی اپنے شیوخ سے حاصل کر کے ہم تک پہنچائے ہیں جو اس راستہ سے ہٹ کر قرآن پاک کی تفسیر کرتا ہے وہ یقیناً اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرتا ہے فہم قرآن کے متعلق احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کو نظر انداز کر کے صرف اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے والا خطا کار گناہ گار ہے خواہ اس کا موقف صحیح ہی کیوں نہ ہو اس کے برعکس اگر کوئی تفسیر کرتے وقت

متقدمین کی طرح کتاب وسنت کو سامنے رکھتا ہے اور ان سے استفادہ کرتا ہے تو خطا کار ہونے کی صورت میں بھی اجر وثواب کا حقدار ہے اگر ان کا بیان منشائے الٰہی کے مطابق ہے تو اسے دو چند اجر ملے گا۔ (ص۲۱۲۔طبع چہارم)

آگے چل کر شارح فرماتے ہیں:

ہمارے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم احادیث رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل کی گہرائیوں سے تسلیم کریں اور آپ کے اوامر و نواہی کی اطاعت کریں اور آپ کے اقوال کو دل و جان سے قبول کریں اور کسی قسم کا عقلی معارضہ کئے بغیر انہیں برحق مانیں اس سلسلہ میں کسی قسم کے شکوک و شبہات کا شکار نہ ہوں۔ شخصی آراء اور خود ساختہ مفروضات کو ان پر ترجیح نہ دیں۔

جس طرح اللہ تعالٰی کو خضوع وخشوع اور توکل وانابت میں وحدہ لاشریک مانتے ہیں اسی طرح شرعی قوانین میں احادیث نبویہ کو آخری اتھارٹی کے طور پر تسلیم کریں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ ص۲۱۷)

مختصر یہ ہے کہ قرآن اور سنت کو ملا کر ایک ماخذ قرار دیا جائے اور پھر اس پر قانون سازی کی بنیاد رکھی جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں بائیں دیکھ کر رجعت قہقری کا ثبوت نہ دیں وگرنہ ضلالت وگمراہی ہمارے مقدر میں لکھ دی جائے گی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

ترکت فیکم امرین لن تضلو اما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔

(یہ روایت امام مالک کے بلاغات سے ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں سند حسن سے اس روایت کو موصولا بیان کیا ہے۔)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ تعالٰی کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے ان میں کسی قسم کی تفریق نہ ہو گی حتی کے حوض کوثر پر بھی یہ دونوں اکٹھی پیش ہوں گی۔

ضروری تنبیہہ

شرعی قواعد وضوابط میں جس سنت کی اس قدر اہمیت بیان کی گئی ہے اس سے مراد وہ سنت ہے جو نبی اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اس کے ثبوت کیلئے وہ علمی اور تحقیقی انداز اختیار کیا گیا ہو جو محدثین کے ہاں معروف ہے اس سے قطعا وہ احادیث مراد نہیں ہیں جو ہمارے ہاں تفسیر و فقہ، ترغیب وترہیب اور وعظ ونصیحت کی کتب میں ملتی ہیں۔ کیونکہ ان کتب میں بیشتر ضعیف، منکر بلکہ موضوع اور بے اصل احادیث موجود ہیں۔ بعض تو ایسی ہیں کہ اسلام کا ان سے قطعا کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں ہاروت و ماروت اور قصہ غرانیق سے متعلق احادیث ہیں۔ ہم نے اس طرح کی بے کار اور بے اصل احادیث کو کثیر تعداد میں اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے جس کا نام **سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ و الموضوعۃ واثرھا لیسی فی الامۃ** ہے۔

علمائے کرام اور مفتیان عظام کیلئے ضروری ہے کہ حدیث سے دلیل لیتے وقت اس کی صحت کے متعلق خوب جانچ پڑتال کر لیا کریں کیونکہ وہ کتب فقہ جن کی طرف عام طور پر مراجعت کی جاتی ہے من گھڑت اور بے اصل احادیث سے بھری پڑی ہیں اور صحت احادیث کا ان میں التزام نہیں کیا گیا ہے۔

حدیث معاذ کی حیثیت

قارئین کرام کو ایک مشہور حدیث کی طرف بھی متوجہ کرنا ضروری ہے جو فقہ کی ہر کتاب میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے وہ حدیث معاذ ہے جو سند کے لحاظ سے بھی کمزور اور ہمارے بیان کردہ موقف سے بھی متعارض ہے جو ہم نے قانون سازی میں کتاب وسنت کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ رکھنے کی صورت میں بیان کیا ہے بلکہ ان دونوں کو بیک وقت ایک ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ حدیث کی تفصیل یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا روانہ کرتے وقت فرمایا **بم تحکم** اے معاذؓ فیصلہ کیسے کرو گے۔

حضرت معاذؓ نے کہا اللہ کی کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا **فان لم تجد** یعنی اگر تجھے اس میں مسئلے کا حل نہ مل سکے تو پھر کیا کرو گے عرض کیا آپ کی سنت مبارکہ سے رہنمائی حاصل کروں گا اس پر آپ نے فرمایا **فان لم تجد** اگر اس میں بھی نہ پا سکو تو پھر؟

حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ غور و فکر سے اجتہاد کروں گا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

الحمدللہ الذی وفق رسو ل رسول اللہ لما یحب رسولہ

اس اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسا کام کرنے کی توفیق دی جو اسے پسند ہے۔

اس کی سند انتہائی کمزور ہے تفصیل کا اب موقع نہیں ہے ہم نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ حدیث رقم ۸۸۵ میں اس کی سند پر سیر حاصل بحث کی ہے سر دست ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ امیر المومنین فی الحدیث الامام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے اس حدیث کے متعلق فرمایا:

"حدیث منکر" یہ حدیث منکر ہے۔

اب ہم اس کے تعارض کو بیان کرتے ہیں جس کا ہم پہلے وعدہ کر آئے ہیں۔

یہ حدیث فیصلہ کرنے والے حاکم کے سامنے یہ طریق کار رکھتی ہے کہ سنت سے فیصلہ کرنے سے پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرنا چاہیے۔ کتاب اللہ میں نہ ملنے کی صورت میں اپنی قوت فکر و اجتہاد و رائے استعمال کرنے سے پہلے اس کا حل سنت رسول اللہ ﷺ میں تلاش کرنا چاہیے۔ رائے اور اجتہاد کی نسبت علمائے دین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جب تک کسی مسئلہ کا حل سنت رسول ﷺ میں موجود ہے تو اجتہاد و قیاس سے احتراز کیا جائے کیونکہ یہ ایک اصولی بات ہے۔

اذا جاء الاثر بطل النظر

جب حدیث مل جائے تو نظر و فکر کی عمارت کو زمین بوس کر دیا جائے اس حد تک معاملہ قابل عمل ہے لیکن سنت کے سلسلہ میں جو راہنمائی اس حدیث سے ملتی ہے کہ قران مجید میں ہونے کی صورت میں حدیث کی طرف التفات نہ کیا جائے، صحیح نہیں ہے کیونکہ سنت رسول اللہ ﷺ کتاب اللہ کے اجمال کی وضاحت، اس کے عموم و اطلاق کو متعین کرتی ہے اس لئے کسی مسئلے کا حل اگر قرآن مجید میں موجود ہے بھی سنت رسول اللہ ﷺ پر نظر رکھی جائے۔

ہمارے نزدیک درست یہ ہے کہ قرآن اور احادیث دونوں کو ملا کر ایک ماخذ قرار دیا جائے ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق روا نہ رکھی جائے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

الا انی اوتیت القرآن و مثله معه (ابو داؤد)

دیکھو مجھے ایک تو قرآن دیا گیا ہے اور اس جیسی اور چیز بھی اس کے ہمراہ عطا کی گئی ہے اور اس چیز سے مراد سنت ہے ایک اور حدیث میں قرآن و سنت کے تعلق کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔

ان دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ حوض کوثر پر یہ دونوں اکٹھی پیش ہوں گی۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان تفریق کرنا کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہے۔

حدیث معاذ میں بیان کردہ تقسیم بھی ان کے درمیان تفریق کو جنم دیتی ہے یہی وہ تعارض ہے جس کے بطلان کو ہم بیان کر رہے ہیں۔

قرآن و سنت کے مطابق ہمارا موقف اگر صحیح ہو تو یہ ہمارے اللہ کی عنایت ہے بصورت دیگر ہمارے فکر و نظر کا قصور ہے۔ ہم اللہ کے حضور دست بدعا ہیں کہ ہماری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے اور اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے اور ہمیں ایسے کام کرنے کی توفیق دے جن سے وہ خوش ہو۔

وآخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور قول و قرار کی نگرانی کرنے والے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

رجال صدقو ماعاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا (احزاب)

ایمان والو میں سے بعض وہ مرد ہیں جنہوں نے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا تو ان میں سے کوئی اپنا کام پورا کر چکا اور کوئی وقت کا انتظار کر رہا ہے اور ان میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔

یعنی بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد و میثاق کیا تھا اس کو کما حقہ پورا کر دیا اور بعض اس کے منتظر ہیں یہ ان منافقین کی طرح نہیں ہیں جو عہد و قرار کرنے کے باوجود پھر گئے۔

اسی طرح سورہ احزاب کی اس آیت میں بھی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ: **وکان عهد الله مسئولا**

اور اللہ سے کئے ہوئے وعدے کی باز پرس ہوگی کہ تم نے کیوں عہد و اقرار اور وعدے کو پورا نہیں کیا عہد کو توڑنا گویا ایمان کو توڑنا ہے۔

جو شخص عہد و قرار کو پورا کرتا ہے وہ دین دار ہے اور جو نہیں پورا کرتا وہ بے دین ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا ايمان لمن لا امانة له ولادين لمن لا عهد له (ترغيب)

خیانت کرنے والا اور امانت نہ واپس کرنے والا ایماندار نہیں ہو سکتا اور نہ عہد توڑنے والا دین دار ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت دار اور دین دار بنائے اور ہمیں وعدہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے

وما علينا الا البلاغ المبين